

اسوہ ابراہیمی۔ قرآن کی روشنی میں

محمد رضی الاسلام ندوی

حضرت ابراہیمؑ کا شمار ان انبیاء کرام میں ہوتا ہے جن کا تذکرہ قرآن میں کثرت سے آیا ہے۔ آپؑ کا ظہور ایک ایسی قوم میں ہوا جو مشرک اور مظاہر پرستی میں غرق تھی۔ اس نے سینکڑوں دیوی دیوتا بنا رکھے تھے۔ آپؑ نے منصب نبوت سے سرفراز ہونے کے بعد اسے توحید کی دعوت دی۔ شرک اور اس کے مظاہر پر زبردست تنقید کی اور عوام الناس کو غیر اللہ کی بے بسی اور بے بضاعتی کا عملی مشاہدہ بھی کروایا۔ لیکن آپؑ کی قوم ایمان نہ لائی بالآخر اس پر اتمام حجت کر دینے کے بعد آپؑ نے اپنے وطن سے ہجرت کی اور دوسرے علاقوں میں اللہ کی دعوت عام کرنے کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ بڑھاپے میں اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو اولاد سے نوازا تو اسے لے جا کر ایک ”بے آب و گیاہ وادی“ میں بسا دیا تاکہ وہ جگہ مستقبل میں توحید کا مرکز بن جائے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؑ کی نسل میں برکت دی اور آپؑ کی دعوت بھی خوب پھیلی پھولی۔ اس کا اندازہ اس بات سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ آج دنیا کے تین بڑے مذاہب یہودیت، مسیحیت اور اسلام کے ماننے والے آپؑ ہی سے شرف انتساب رکھتے ہیں۔

قرآن کریم میں حضرت ابراہیمؑ کی دعوت کو بہت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اور آپؑ کی ملت کی پیروی کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ایک دوسرا پہلو بھی ہے جو کم اہمیت کا حامل نہیں ہے وہ یہ کہ قرآن نے آپؑ کے ذاتی اوصاف بھی نمایاں کئے ہیں اور آپؑ کی نجی زندگی کو بھی اسوہ بنا کر پیش کیا ہے۔ سورہٴ محمد (آیت نمبر ۴) میں ہے:

فَدَكَانَتْ لَكُمْ اُسُوَةً حَسَنَةً فِیْ اِبْرٰهٖمَ (الایہ)

تم لوگوں کے لئے ابراہیمؑ میں ایک اچھا نمونہ ہے۔

اس مقالہ میں اسی پہلو کو اجاگر کیا گیا ہے اور قرآن کی روشنی میں حضرت ابراہیمؑ کے ذاتی اوصاف پر بحث کی گئی ہے۔

۱۔ شرک سے بیزاری (حنفیت)

حضرت ابراہیمؑ کی زندگی کا سب سے نمایاں اور امتیازی وصف ان کا شرک و بت پرستی سے برأت، بیزاری و نفرت اور خدائے واحد پر ایمان ہے۔ ان کی پیدائش اور پرورش ایک ایسی قوم میں ہوئی جس میں بت پرستی اور ستارہ پرستی عام تھی۔ سینکڑوں دیوی دیوتاؤں کو خدائی میں شریک کر لیا گیا تھا اور ان کے سامنے جبین نیاز خم کی جاتی تھی۔ حضرت ابراہیمؑ نے شعور کی آنکھیں کھولیں تو انہیں اس ماحول میں سخت گھٹن محسوس ہوئی۔ ان کی فطرت نے انہیں توحید تک رہنمائی کی۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے انہیں منصب نبوت سے سرفراز کیا تو انہوں نے قوم کو راہ ہدایت کی طرف بلانے کے ساتھ ساتھ شرک سے اپنی بیزاری اور برأت کا بھی اعلان کر دیا۔

يَا قَوْمِ اِنِّىٓ اَبْرَءٍ مِّمَّا تَشْرِكُوْنَ ۝ اِنِّىٓ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِى فَطَرَ السَّمٰوٰتِ

وَالْاَرْضِ حَنِيفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۱ (الانعام: ۷۸، ۷۹)

اے برادران قوم: میں ان سب سے بیزار ہوں جنہیں تم خدا کا شریک ٹھراتے ہو۔ میں نے تو یکسو ہو کر اپنا رخ اس ہستی کی طرف کر لیا جس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا ہے اور میں ہرگز شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔

ان کی قوم بحث و مجادلہ کے درپے ہوئی تو اس کی بھی انہوں نے مطلق پرواہ نہ کی اور اس سے دو ٹوک انداز میں کہہ دیا:

اَتَحٰجُّوْنِیْ فِی اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ وَلَاۤ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِہٖ (الانعام: ۸۰)

کیا تم لوگ اللہ کے معاملہ میں مجھ سے جھگڑتے ہو؟ حالانکہ اس نے مجھے راہ راست دکھادی ہے اور میں تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں سے نہیں ڈرتا۔

حضرت ابراہیمؑ کا یہ حال نبوت کے بعد ہی کا نہ تھا بلکہ وہ اپنی ابتدائی زندگی ہی سے فطرت سلیم پر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں رشد و ہدایت کے جادہ مستقیم پر قائم رکھا تھا چنانچہ ارشاد ہے۔

وَلَقَدْ اٰتٰیْنَا اِبْرٰہِیْمَ رُشْدَہٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِہٖ عَلٰیْمِیْنَ (الانبیاء: ۵۱)

اس سے پہلے ہم نے ابراہیمؑ کو اس کی ہوش مندی بخشی تھی اور ہم اس کو خوب جانتے ہیں۔

اس آیت میں 'رشد' سے اگرچہ بعض مفسرین نے نبوت مراد لی ہے لیکن اکثر مفسرین کے نزدیک اس کا

مطلب ہدایت، معرفت الہی، ہوشمندی اور راست روی ہے ”من قبل“ کی بھی دو توجہیں کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ اس سے مراد ہے، حضرت موسیٰ سے پہلے، جن کا تذکرہ ما قبل آیات میں موجود ہے۔ دوسری یہ کہ اس سے ابتدائی عمر کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو بچپن ہی سے رشد و ہدایت سے نوازا تھا۔ پہلی توجیہ حضرت ابن عباسؓ سے اور دوسری ان کے شاگرد حضرت مجاہدؒ سے منقول ہے۔ (۲) مفسرین میں سے ابن جریر طبریؒ نے پہلی اور ابن کثیرؒ نے دوسری توجیہ کو اختیار کیا ہے (۳)۔ بعد کے مفسرین نے ان دونوں توجیہوں کو نقل کر دیا ہے یا ان میں سے کسی ایک کو اختیار کیا ہے۔ (۴) اس کی بعض اور توجہیں بھی کی گئی ہیں۔ (۵)

حضرت ابراہیمؑ کے اس امتیازی وصف کو نمایاں کرنے کے لئے قرآن نے متعدد تعبیریں اختیار کی ہیں۔ سورہ صافات میں ہے۔

وَإِنْ مِنْ شِيعَتِهِ لَإِبْرَاهِيمَ إِذْ جَاءَ رَبَّهُ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ (الصافات: ۸۳، ۸۴)

اور اس کے (یعنی حضرت نوحؑ کے) طریقے پر چلنے والا ابراہیمؑ تھا جب وہ اپنے رب کے حضور قلب سلیم لے کر آیا۔

مذکورہ آیت میں حضرت ابراہیمؑ کو پاکیزہ دل کہا گیا ہے بعض مفسرین نے اس کا عام مفہوم مراد لیا ہے۔ یعنی ایسا دل جو تمام اعتقادی و اخلاقی خرابیوں سے پاک ہو۔ اس کی دلیل انہوں نے یہ دی ہے کہ یہاں یہ لفظ مطلق آیا ہے اس لئے اسے کسی ایک معنی کے لئے خاص کرنا مناسب نہیں (۶)

جب کہ بعض دیگر مفسرین کے نزدیک اس سے مراد ہے شرک کی آلودگی سے پاک دل۔ اس کی دلیل یہ ہے مابعد آیات میں حضرت ابراہیمؑ نے اپنی قوم کے شرک میں مبتلا ہونے پر ان کی مذمت کی ہے (۷)۔ ابن عباسؓ، مجاہدؒ، قتادہؒ، حسنؒ، سدیؒ وغیرہ سے بھی یہی تاویل مروی ہے (۸)

حضرت ابراہیمؑ کی حق پرستی اور شرک سے بیزاری کو نمایاں کرنے کے لئے قرآن نے ایک لفظ ”حنیف“ کا استعمال کیا ہے۔ یہود و نصاریٰ میں سے ہر ایک، باوجود اپنی تمام گمراہیوں اور صریح شرک کے دعویٰ کرتا تھا کہ صرف وہی حضرت ابراہیمؑ کے بتائے ہوئے طریقے پر ہے۔ اس کے جواب میں ان سے کہا گیا:

مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ

الْمُشْرِكِينَ ۝ (آل عمران: ۶۷)

ابراہیم نہ یہودی تھا نہ عیسائی بلکہ وہ تو ایک مسلم یکسو تھا اور وہ ہرگز مشرکوں میں سے نہ تھا۔

لفظ 'حنیف' کا مادہ حنَف ہے۔ لغت میں اس کے اصل معنی کیا ہیں؟ اس سلسلہ میں ماہرین لغت سے دو اقوال منقول ہیں: ایک یہ کہ اس کے معنی مائل ہونے اور جھکنے کے ہیں۔ عربی زبان میں احنف اس شخص کو کہتے ہیں جس کے دونوں پیر مڑے ہوئے ہوں۔ اس اعتبار سے حنیف کے معنی ہوں گے وہ شخص جو ہر طرف سے کٹ کر صرف اللہ کے دین کی طرف مائل ہو۔ دوسرا قول یہ ہے کہ احنف کے معنی سیدھا ہونے کے ہیں۔ عربی زبان میں لنگڑے کے لئے احنف کا لفظ اچھے شگون کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ اس قسم کے متعدد الفاظ ہیں جنہیں برعکس مفہوم میں استعمال کیا جاتا ہے۔ مثلاً جس شخص کو کوئی موزی کیڑا، سانپ بچھو وغیرہ کاٹ لے تو اسے 'سلیم' (لفظی معنی نجات پانے والا) اور کھائی کو مفازۃً (لفظی معنی جائے نجات) کہا جاتا ہے۔ اس اعتبار سے حنیف اس شخص کو کہا جائے گا جو ٹھیک ٹھیک اللہ کے دین پر قائم ہو اس سے سر مو بھی انحراف نہ کرے (۹)۔

بہر حال ان میں سے جو معنی بھی اختیار کئے جائیں، قرآن کی اصطلاح میں حنیف سے مراد وہ شخص ہے جو شرک سے بالقصد اعراض کر کے اسے بھرت کے ساتھ ترک کرے اور حق کی طرف رجوع کرے۔ اس طرح پر کہ اسے کوئی چیز حق قبول کرنے سے باز نہ رکھ سکے (۱۰) یہ لفظ قرآن میں دس مقامات پر آیا ہے ان میں سے آٹھ مقامات پر اس کا استعمال حضرت ابراہیمؑ کے لئے ہوا ہے اور ایک جگہ کے علاوہ سب جگہوں پر اس کے بعد وما کان من المشرکین یا اس جیسے الفاظ بھی آئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا استعمال شرک کے بالمقابل ہوا ہے۔

۲۔ کامل اطاعت الہی

حضرت ابراہیمؑ کی پوری زندگی نگاہوں کے سامنے ہو تو صاف محسوس ہوتا ہے کہ انہوں نے پورے طور پر خود کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے تابع کر دیا تھا اور اس کے ارشادات و احکام پر عمل پیرا ہونے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے تھے۔ جب تک اللہ تعالیٰ نے انہیں وطن میں رہ کر دعوت کا مشن جاری رکھنے کا حکم دیا وہ سخت سے سخت حالات کی پرواہ کئے بغیر اس فریضہ کو سرانجام دیتے رہے جب ان کی قوم نے کبائی دین کی توہین کے جرم میں انہیں آگ میں ڈال دیا تو اس موقع پر بھی انہوں نے بے مثال استقامت کا مظاہرہ کیا اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے گھربار، خاندان اور وطن کو چھوڑ کر ہجرت کرنے کا حکم دیا تو اس حکم کے آگے سر تسلیم خم کر دیا۔ بڑھاپے کی عمر کو پہنچنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایک فرزند سے نوازا جو مستقبل کا سارا، امیدوں اور آرزوؤں کا مرکز تھا۔ جب اسے اپنی ماں کے ساتھ بے آب و گیاہ وادی میں بسانے کا حکم دیا تو اس پر بھی پس و پیش کا مظاہرہ نہیں کیا۔ پھر جب اس دشت غربت میں اس اکلوتے اور محبوب فرزند کی گردن پر چھری پھیر دینے کا اشارہ ملا تو اس پر عمل پیرا ہونے کے لئے بھی اپنی

۲ ستین چڑھالیں گویا حضرت ابراہیمؑ کی زندگی اللہ تعالیٰ کی کامل اطاعت، خود سپردگی اور نفس کو مرضی مولا کے تابع کر دینے کا اعلیٰ نمونہ ہے۔

قرآن نے اسی چیز کو لفظ اسلام سے تعبیر کیا ہے۔

اذْقَالَ لَهُ رَبُّهُ اَسْلِمَ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ (البقرہ ۱۳۱)

اس کا حال یہ تھا کہ جب اس کے رب نے اس سے کہا ”مسلم ہو جا“ تو اس نے فوراً کہا ”میں مالک کائنات کا مسلم“ ہو گیا۔ اسلام کے لفظی معنی اطاعت و فرماں برداری، خضوع و خود سپردگی اور اخلاص کے ہیں۔ مسلمان کو ”مسلم“ اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ اپنے رب کی اطاعت کے لئے ہمہ وقت آمادہ رہتا ہے (۱۱) زید بن عمرو بن نفیل، جن کا شمار عہد جاہلیت کے نفاء میں ہوتا ہے ان کے دو اشعار ہیں۔

وَأَسْلَمْتُ وَجْهِي لِمَنْ أَسْلَمْتُ لَهُ الْأَرْضُ تَحْمِلُ صَخْرًا ثَقَالًا
وَأَسْلَمْتُ وَجْهِي لِمَنْ أَسْلَمْتُ لَهُ الْمُنْ تَحْمِلُ عَذْبًا زُ لَا لَا ۱۱

ترجمہ: میں نے اس ذات باری کے آگے اپنا سر تسلیم خم کر دیا ہے جس کے حکم پر زمین بھاری چٹانوں کو اٹھائے ہوئے ہے اور بادل بیٹھا پانی لے کر اوہر اوہر جاتے ہیں

مذکورہ بالا آیت میں حضرت ابراہیمؑ کی زبان مبارک سے اظہار اطاعت کا بیان ہے مگر آیت کو اسی محدود معنی تک رکھنا صحیح نہیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے نہ صرف زبانِ قال سے فرمانبرداری کا اظہار کیا بلکہ زندگی کے ہر ہر لمحے میں زبانِ حال سے اس کا ثبوت بھی فراہم کیا۔ راغب اصفہانی نے لکھا:

”اسلام کے لئے محض زبانی اعتراف کافی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ ضروری ہے کہ دل میں وہی بات ہو جس کا زبان سے اظہار کیا جا رہا ہے، عمل سے بھی اس کی تصدیق ہو۔ اللہ تعالیٰ نے جو فیصلے کر دیے ہیں اور جو چیزیں مقدر کر دی ہیں ان کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا جائے جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ کے سلسلہ میں مذکور ہے (۱۳)“

حضرت ابراہیمؑ کی اطاعتِ الہی کا نقطہ عروج ہمیں واقعہ ذبح میں نظر آتا ہے۔ خواب میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے پینے کو ذبح کرنے کا اشارہ پا کر وہ فوراً اس پر عمل کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ بیٹے سے اس خواب کا ذکر کیا تو اس نے بھی احکامِ الہی کے سامنے اپنی جبینِ نیاز خم کر دی۔ دونوں کی اس کیفیت کو قرآن نے لفظ ’اسلام‘ سے تعبیر کیا ہے۔

© rasailojaraid.com

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ امت سے مراد وہ شخص ہے جو لوگوں کو اچھائی کی تعلیم دیتا ہے۔

حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں: لفظ امت اپنے معروف معنی میں ہے۔ اپنے عہد میں حضرت ابراہیمؑ تھا مومن تھے بقیہ تمام لوگ کافر تھے اس بنا پر انہیں تن تھا ایک امت قرار دیا گیا۔

حضرت قتادہؒ کے نزدیک اس کے معنی امام کے ہیں (۱۹)
متاخرین میں مولانا فرانیؒ نے امت کو اطاعت گزار کے معنی میں لیا ہے اور اس کے معنی کی تعیین میں بعض جاہلی اشعار سے استشاد کیا ہے۔ ۲۰۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کی وفاداری، بے کم و کاست اطاعت اور خود سپردگی کا صلہ یہ دیا کہ انہیں رہتی دنیا تک کے لئے امام بنادیا۔ قرآن کہتا ہے:

وَإِذَا بَنِيَ إِبْرَاهِيمُ رُبَّهُ بِكَلِمَاتٍ فَاتَمَّهِنَّ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا (البقرہ: ۱۲۴)

یاد کرو کہ جب ابراہیم کو اس کے رب نے چند باتوں میں آزمایا اور وہ ان سب میں پورا اتر گیا تو اس نے کہا:

”میں تجھے سب لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں“

اس آیت میں ”کلمات“ سے کیا مراد ہے؟ اس سلسلہ میں متعدد اقوال مروی ہیں۔ علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ ”کلمات سے مراد شرائع، اوامر اور نواہی ہیں۔ اور ان کو پورا کر دکھانے کا مطلب یہ ہے کہ انہیں جس چیز کی بھی ہدایت کی گئی جس کام کا بھی حکم دیا گیا اور جس بات سے بھی روکا گیا انہوں نے ٹھیک ٹھیک اس کے مطابق عمل کیا اور اچھے طریقے سے سرانجام دیا۔ ان کی ادائیگی میں کوئی کوتاہی کی نہ کسی سستی کا مظاہرہ کیا۔ اس معنی میں سورۃ النجم کی آیت نمبر ۳ ”وَإِبْرَاهِيمَ الَّذِي وَفَّى“ ہے یعنی جو حکم بھی دیا گیا اس کی انہوں نے ٹھیک ٹھیک بجا آوری کی۔ عبادت کے کسی موقع پر کوئی چیز ان کی راہ میں خارج نہ ہو پاتی تھی“ (۲۱)

منصب امامت سے سرفراز کئے جانے کے بعد بھی ان کی اطاعت و فرماں برداری میں ادنیٰ سا فرق نہیں آیا۔ بلکہ وہ ہمہ وقت اپنے تمام کاموں، آرزوؤں، دعاؤں اور حرکات و سکنات میں مرضی رب کو پیش نظر رکھتے تھے۔ اس کا اندازہ اس بات سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ جب امامت کی بشارت پا کر انہوں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی یہ شرف آئندہ ان کی نسل کو بھی حاصل رہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں واضح کر دیا کہ جو لوگ کفر و شرک میں مبتلا ہو کر ظلم کا ارتکاب کریں گے اس عہد کا ان سے کوئی تعلق نہ ہوگا (البقرہ: ۱۲۵) تو اس فیصلہ الہی کو

حضرت ابراہیمؑ نے اپنے ذہن میں اس حد تک متحضر رکھا کہ جب انہوں نے مکہ کے باشندوں کے لئے غذائی ضروریات کی فراوانی کی دعا کی تو پہلے ہی صراحت کر دی کہ میری یہ دعا صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو اللہ اور روز آخر پر ایمان لائیں (البقرہ: ۱۲۶) اس سے حضرت ابراہیمؑ کے بلند مرتبہ تسلیم و رضا کا اندازہ ہوتا ہے کہ اگر انہیں اشارہ بھی مل گیا کہ فلاں سمت میں رب کی رضا ہے تو فوراً دھر چل پڑے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے وضاحت کر دی کہ امامت پر معیشت دنیا کے معاملات کو قیاس کرنا صحیح نہیں۔ ایمان کی تخصیص صرف امامت کے معاملے میں ہے۔ جہاں تک روزی کا سوال ہے اس سے اللہ تعالیٰ اہل ایمان اور اہل کفر دونوں کو نوازتا ہے (البقرہ: ۱۲۶) ۲۲۔

۳۔ استغفار و انابت :

اللہ تعالیٰ سے اس درجہ قربت رکھنے اور اس کے ایک ایک اشارہ کی فوراً تعمیل کرنے کے باوجود حضرت ابراہیمؑ کو ہمہ وقت احساس رہتا تھا کہ کہیں ان سے فرائض کی انجام دہی میں کوئی کوتاہی نہ ہو گئی ہو۔ یہ احساس انہیں توبہ و استغفار اور رجوع و انابت پر آمادہ کرتا تھا۔ یہ ایک اعلیٰ ترین صفت ہے جو کسی مومن بندے میں پیدا ہو سکتی ہے۔ قرآن میں حضرت ابراہیمؑ کا ایک یہ وصف بھی بیان کیا گیا ہے :-

إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَحَلِيمٌ أَوَّاهٌ مُنِيبٌ (ہود: ۷۵)

حقیقت میں ابراہیمؑ بڑا حلیم اور نرم دل آدمی تھا اور ہر حال میں ہماری طرف رجوع کرتا تھا۔

لفظ 'منیب' توبہ سے مشتق ہے۔ اس کے معنی ہیں کسی چیز کا بار بار پلٹنا۔ شمد کی کبھی کے لئے عربی زبان میں ایک لفظ 'نوب' بھی آتا ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ وہ بار بار اپنے چھتے کی طرف پلٹ کر آتی ہے۔ اللہ کی طرف انابت کا مطلب ہے توبہ و استغفار کے ذریعے اس کی طرف رجوع کرنا اور اخلاص کے ساتھ اس کے احکام کو بجالانا (۲۳) حضرت ابراہیمؑ نے اپنی قوم کے سامنے توحید کی دعوت پیش کی اور اللہ تعالیٰ کے احسانات گنوائے تو ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ مجھے اس سے اپنی مغفرت کی توقع ہے :

وَالَّذِي أَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ (الشعراء: ۸۲)

اور جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ روز جزا میں وہ میری خطا معاف فرمادے گا۔

وہ نہ صرف اپنے لئے بلکہ اپنے والدین اور تمام اہل ایمان کے لئے بھی مغفرت اور بخشش کی دعا کرتے تھے :

رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ (ابراہیم: ۳۸)

پروردگار مجھے اور میرے والدین کو اور سب ایمان لانے والوں کو اس دن معاف کر دیجیو جب کہ حساب قائم ہوگا۔

اس اعلیٰ ترین صفت کا پر تو حضرت ابراہیمؑ پر ایمان لانے والوں میں بھی نظر آتا تھا۔ چنانچہ ان کی طرح وہ بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جبینِ نیاز خم کرتے، اس کی طرف رجوع ہوتے اس سے مدد چاہتے اور اپنے گناہوں اور لغزشوں پر اس سے مغفرت طلب کرتے تھے۔ ان کی دعا یہ ہوتی تھی:

رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنَبْنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِلَّذِينَ كَفَرُوا وَاعْفِرْ لَنَا رَبَّنَا
إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ (الممتحنہ: ۴)

اے ہمارے رب: تیرے ہی اوپر ہم نے بھروسہ کیا اور تیری ہی طرف ہم نے رجوع کر لیا اور تیرے ہی حضور ہمیں پلٹا ہے۔ اے ہمارے رب ہمیں کافروں کے لئے فتنہ نہ بنا دے۔ اور ہم سے درگزر فرما بے شک تو ہی زبردست اور دانا ہے۔

۴۔ شکر

اللہ تعالیٰ کے احسانات و انعامات کا احساس بندے میں شکر کا جذبہ پیدا کرتا ہے اور اس میں مزید تذلل، خشوع و خضوع اور اطاعت و فرمانبرداری پروان چڑھتی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کے اندر یہ صفت بدرجہ اتم پائی جاتی تھی۔ ان کا دل اپنے رب کی نعمتوں پر تشکر و امتنان کے جذبات سے لبریز رہتا تھا۔ جس کا اظہار ان کی زبان سے بھی ہوتا تھا۔ قرآن کہتا ہے:

شَاكِرًا لِلَّهِ نِعْمِهِ (النحل: ۱۲۱)

اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے والا تھا۔

نعم، ”جمع قلت کا صیغہ ہے۔ اس سے یہ لطیف اشارہ مقصود ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اس وقت بھی اللہ کے شکر گزار تھے جب وہ ابھی زیادہ انعامات الہی سے بہرہ ور نہیں ہوئے تھے (۲۴) اگر کسی شخص پر انعام و اکرام کی بارش ہو جائے تب وہ اپنے محسن کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان ہو تو اس میں کوئی ندرت نہیں ہے۔ قابلِ تعریف تو وہ شخص ہے جو معمولی احسان کو بھی مانے اور قلیل نعمتوں میں بھی شکر گزار ہو۔

حضرت ابراہیمؑ کی قوم کباء و اجداد کی تقلید میں بتوں کو پوجتی تھی۔ آپؑ نے اس کے سامنے توحید کی دعوت پیش کی۔ اس موقع پر آپؑ نے اپنی مثال دی کہ میں تو رب العالمین کی پرستش کرتا ہوں جس نے مجھ پر نئے احسانات کئے ہیں۔ ان احسانات کا تقاضا ہے کہ صرف اسی کی عبادت کی جائے:-

فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيَ إِلَّا رَبَّ الْعَالَمِينَ ۝ الَّذِي خَلَقَنِي فَهُوَ يَهْدِينِ ۝ وَالَّذِي هُوَ يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِ ۝
وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ ۝ وَالَّذِي يُمِيتُنِي ثُمَّ يُحْيِينِ ۝ وَالَّذِي أَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ

الدِّينِ (الشعراء: ۷۷ تا ۸۲)

میرے تو یہ سب دشمن ہیں۔ سوائے ایک رب العالمین کے۔ جس نے مجھے پیدا کیا پھر وہی میری رہنمائی فرماتا ہے۔ جو مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے اور جب بیمار ہو جاتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے جو مجھے موت دے گا اور پھر دوبارہ مجھ کو زندگی بخشے گا اور جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ روز جزا میں وہ میری خطا معاف فرمادے گا۔

آپ نے قوم کو بھی متوجہ کیا کہ جو اسباب زندگی تمہیں حاصل ہیں وہ ان کی طرف سے نہیں ہیں جن کی تم پرستش کرتے ہو بلکہ ان سے تمہیں اللہ تعالیٰ نے نوازا ہے۔ اس لئے اس کا شکر ادا کرو اور صرف اسی کی عبادت بجالاؤ۔

إِنَّ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوا عِنْدَ اللَّهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوهُ وَاشْكُرُوا
لَهُ ط إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ (العنكبوت: ۱۷)

در حقیقت اللہ کے سوا جن کی تم پرستش کرتے ہو وہ تمہیں کوئی رزق بھی دینے کا اختیار نہیں رکھتے۔ اللہ سے رزق مانگو اور اسی کی بندگی کرو اور اس کا شکر ادا کرو۔ اسی کی طرف تم پلٹائے جانے والے ہو۔

اپنے وطن سے ہجرت کے وقت تک حضرت ابراہیمؑ کی کوئی اولاد نہ تھی۔ ان کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ ان کے یہاں کوئی چھ ہو جو ان کے کاموں میں مددگار بڑھاپے کا سہارا اور ان کی دعوت کو جاری رکھنے والا ہو۔ انہوں نے بارگاہ الہی میں دعا کے لئے ہاتھ پھیلا دیئے (الصافات: ۱۰۰) اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو شرف قبولیت بخشا اور انہیں دو اولادیں عطا کیں۔ حضرت ہاجرہ سے اسماعیلؑ اور حضرت سارہ سے اسحاقؑ پیدا ہوئے۔ دعا کی مقبولیت پر حضرت ابراہیمؑ کا دل جذبہ شکر سے بھر گیا جس کا اظہار ان کی زبان مبارک سے یوں ہوا:

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي وَهَبَ لِي عَلَى الْكِبَرِ إِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ إِنَّ رَبِّي لَسَمِيعُ الدُّعَاءِ

(ابراہیم: ۳۹)

شکر ہے اس خدا کا جس نے مجھے اس بڑھاپے میں اسماعیلؑ اور اسحاقؑ جیسے بیٹے دئے۔ حقیقت یہ ہے کہ میرا رب ضرور دعا سنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسماعیلؑ کو مکہ کی وادی میں لایا تھا۔ اس وقت وہ جگہ بالکل غیر آباد تھی۔ سنگلاخ زمین کی وجہ سے سبزہ آگتا تھا نہ پیداوار ہوتی تھی۔ حضرت ابراہیمؑ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی

کہ اس ویرانے کو آباد کر دے اور وہاں کے باشندوں کے لئے اسبابِ معاش کی فراوانی کر دے :

رَبَّنَا اِنِّیْ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بُوَادٍ غَیْرِ ذِی زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِكَ الْمَحْرَمِ رَبَّنَا
لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْنِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْ اِلَیْهِمْ وَاَرْزُقْهُمْ مِنَ الثَّمَرٰتِ
لَعَلَّهُمْ یَشْكُرُوْنَ (ابراہیم: ۳۷)

پروردگار میں نے ایک بے آب و گیاہ وادی میں اپنی اولاد کے ایک حصے کو تیرے محترم گھر کے پاس لاسایا ہے۔
پروردگار میں نے یہ اس لئے کیا ہے کہ یہ لوگ یہاں نماز قائم کریں۔ لہذا تو لوگوں کے دلوں کو ان کا مشتاق بنا
اور انہیں کھانے کو پھل دے۔ تاکہ یہ شکر گزار بنیں۔

آیت کے آخر میں لَعَلَّهُمْ یَشْكُرُونَ کے جو الفاظ آئے ہیں وہ نہایت معنی خیز ہیں۔ یعنی میں ان کے لئے جو
سکون کی زندگی Settled Life کا طالب ہوں تو اس لئے نہیں کہ ان کے لئے سامانِ عیش کی فراوانی چاہتا ہوں
بلکہ صرف اس لئے اس کا طالب ہوں کہ وہ اپنے مشن کے لئے یکسورہ کر زیادہ تیری شکر گزاری کا حق ادا کر سکیں
(۲۵)

☆☆☆

قلبِ قرآن

۳۔ سورہ نیس قرآن کا دل ہے اور قرآن ریحانہ ہے اور یہ ماہِ خدا کے قلب میں
عالمِ امکان کے قلب پر یکبارہ نازل ہوئی ہے۔ کیونکہ انزالِ دفعی ہے اور تنزیل
تدریجی۔ یہ امامِ قرآن ہے اور قرآن امامِ ائمہ اور دونوں ریحانہ ہیں۔